دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

شمارہ: ۱۰-۱۱	ربیع الثانی - جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ مطابق اکتوبر - نومبر ۲۰۲۵ء	جلد: ۱۰۹

مدیر	نگراں
مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.**:** 2133/57
Vol. No. 109, Issue No. 10-11, Oct.-Nov.2025 अक्तूबर–नवम्बर 2025
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 100/=	Annual Subscription Rs. 500/=

Annual by Regd Post. Rs. 700/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۲۱۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۸۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۸۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز		محمد سلمان بجنوری	۳
تحقیقی مقالات	اسلامی علوم میں تحقیق کا منہج عصر حاضر کے تناظر میں	ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی	۵
//	حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی معاشی اصلاحات	مولانا غلام اکبر لاشاری	۱۵
//	اسلامی فلسفۂ حیات	مولانا راشد وحید قاسمی	۲۸
لمحہ فکریہ	الحاد و دہریت کی نئی لہر	مفتی محمد ذیشان احمد قاسمی	۳۴
	زندگی کے دو تعمیری پہلو		
	حضرت مولانا نور عالم خلیل امینیؒ کی نظر میں	مفتی محمد مصعب	۴۴
	اختلافِ رائے - اصول وآداب	مولانا محمد رضی الرحمن قاسمی	۴۹
	عمل میں اخلاص کی ضرورت	مولانا میر زاہد مکھیالوی	۵۶
	اتباعِ رسول ﷺ ہی کلید نجات ہے	مولانا محمد ارشد خان قاسمی	۶۶
	کھانے کے آداب اور سنتیں	مولانا عبد اللطیف قاسمی	۷۸
	عصری اداروں میں حفظ قرآن: ایک جائزہ	مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی	۱۰۲
نئی کتاب		ڈاکٹر مفتی اشتیاق احمد قاسمی	۱۰۹

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/700 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

اختلافِ رائے — اصول وآداب

از: مولانا محمد رضی الرحمٰن قاسمی

کائنات کی سب سے بڑی سچائیوں میں سے ایک اس کا تنوع (Diversity) ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی تخلیق کو یکسانیت کی بے رنگی سے نہیں؛ بلکہ رنگا رنگی کے حسن سے آراستہ کیا ہے۔ آسمان پر پھیلے ان گنت ستارے، زمین پر لہلہاتے ہوئے مختلف النوع باغات اوران میں بسنے والے اربوں جاندار، سب کے سب اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ خالق کو کائنات میں اختلاف اورتنوع پسند ہے۔ اسی عظیم اصول کے تحت اس نے اشرف المخلوقات، یعنی انسان کو بھی تخلیق کیا۔ ہرانسان کو نہ صرف ایک منفرد شکل وصورت اورالگ پہچان عطا کی گئی؛ بلکہ اس کے باطن میں فکرونظر، فہم وادراک، اور ذوق ووجدان کا ایک الگ جہان آباد کیا گیا۔ جس طرح دوانسانوں کی صورتیں یاان کی انگلیوں کے نشان ایک جیسے نہیں ہوسکتے، اسی طرح یہ توقع رکھنا بھی عبث ہے کہ دو انسانوں کے ذہن ہرمعاملے میں ایک ہی زاویے سے سوچیں اورایک ہی نتیجے پر پہنچیں۔

فکرکا یہ اختلاف، درحقیقت، انسانی معاشرت کی ترقی اورتہذیب کے ارتقا کے لیے آکسیجن کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب مختلف اذہان ایک مسئلے پر غورکرتے ہیں، تو اس کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں، نئے راستے کھلتے ہیں اورعلم ودانش کے دریا بہنے لگتے ہیں۔ یہ اختلاف اگرصحت مند حدود میں رہے تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو قوموں کی فکری صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے اورانہیں جمود سے نکال کر حرکت وعمل پرآمادہ کرتی ہے۔ اسلام، جو کہ دینِ فطرت ہے، اس حقیقت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے؛ لیکن یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو اختلاف امت کے لیے باعثِ رحمت ہونا چاہیے تھا، وہ آج ہمارے معاشروں کے لیے باعثِ زحمت کیوں بن گیا

ہے؟ وہ فکری تنوع جو کبھی ہماری علمی محفلوں کا حسن تھا، آج ہماری مسجدوں، گلیوں اور بازاروں میں نفرت اور تقسیم کا سامان کیوں بن گیا ہے؟

اس سوال کا جواب اس فرق کو سمجھنے میں پوشیدہ ہے جو ''اختلاف'' اور ''افتراق'' کے درمیان ہے۔ اختلاف رائے کا تعلق عقل وفکر اور دلیل واستدلال سے ہے؛ جب کہ افتراق اور تفرقہ بازی کا تعلق نفسانی خواہشات، انا پرستی اور گروہی عصبیت سے ہے۔ ہمارے اسلاف اور ائمہ دین نے اختلاف تو کیا؛ مگر وہ افتراق سے کوسوں دور رہے۔ انھوں نے ہمیں اختلاف کرنے کا فن سکھایا، ایک ایسا فن جسے آج ہم تقریباً بھلا چکے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں ہم اسلامی تہذیب کے اسی گم گشتہ ورثے کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے؛ تاکہ ہم اختلاف کے کانٹوں میں الجھنے کے بجائے، اس میں پوشیدہ رحمت کے پھول چن سکیں۔

اختلاف کے سنہرے اصول وآداب

ہمارے عظیم فقہاء، محدثین، اور ائمہ کرام کا طرزِ عمل اس بات پر شاہد ہے کہ اختلافِ رائے کو ذاتی دشمنی بنائے بغیر، ایک علمی اور تہذیبی دائرے میں کیسے رکھا جاسکتا ہے۔ ان کے عمل سے اختلافِ رائے کے کچھ سنہرے اصول مرتب ہوتے ہیں جو آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

اصول وفروع میں امتیاز کا شعور: اسلامی تعلیمات کی عمارت دو طرح کے ستونوں پر قائم ہے: اصول (Fundamentals) اور فروع (Branches)۔ (الموافقات للشاطبی، جلد۲، صفحہ ۶۷)

اصول وہ بنیادی اور قطعی عقائد واحکام ہیں جو دین کی اساس ہیں اور جن پر امت کا اجماع ہے۔ جیسے اللہ کی وحدانیت، رسول اللہ ﷺ کی ختمِ نبوت، قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا، نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ کی فرضیت وغیرہ۔ یہ وہ ''حبل اللہ'' یعنی اللہ کی رسی ہے جسے مل کر تھامنے کا حکم دیا گیا ہے، وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (سورہ آل عمران، آیت: ۱۰۳) اور اس میں کسی قسم کے اختلاف یا سمجھوتے کی گنجائش نہیں۔

فروع وہ جزوی اور عملی مسائل ہیں جن میں براہِ راست قرآن وسنت کی واضح اور قطعی نص موجود نہ ہو، یا نص کے الفاظ میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہو۔ ایسے مسائل میں اہل علم اپنی علمی بصیرت اور استدلال کی قوت سے اجتہاد کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں مختلف آراء کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ رفع یدین کرنا یا نہ کرنا، آمین بلند آواز سے کہنا یا آہستہ، یا نماز میں ہاتھ باندھنے کا مقام، یہ سب فروعی مسائل کی مثالیں ہیں۔ ہمارے اسلاف اس فرق کو بخوبی سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ فروعی

مسائل میں اختلاف امت کے لیے وسعت اور آسانی کا باعث ہے اور یہ اللہ کی رحمت کی دلیل ہے۔ آج ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم نے فروعی مسائل کو اصول کا درجہ دے دیا ہے اور ان کی بنیاد پر ایک دوسرے کی نیتوں پر حملہ کرتے اور ان پر گمراہی اور فسق کے فتوے لگاتے ہیں۔

اخلاصِ نیت اور طلبِ حق کا جذبہ: اسلاف کی علمی محفلوں میں اختلاف کا مقصد اپنی انا کی تسکین، اپنے علم کی دھاک بٹھانا یا مخالف کو ذلیل کرنا نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ ان سب کا مطمحِ نظر صرف اور صرف ''طلبِ حق''، یعنی سچائی کی تلاش ہوتا تھا۔ ان کا مشہور قول تھا: ''میری رائے درست ہے؛ لیکن اس میں غلطی کا احتمال ہے اور میرے مخالف کی رائے غلط ہے؛ لیکن اس میں درستی کا امکان موجود ہے''۔ (الرسالة للامام الشافعي، تحقيق احمد شاكر، ص: ۵۰۹) یہ وہ مخلصانہ جذبہ تھا جو انہیں ایک دوسرے کا احترام کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر نیت خالص اللہ کے لیے ہے، تو اجتہاد میں غلطی کرنے والے کو بھی ایک اجر ملے گا۔ (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب اُجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطا، حدیث نمبر ۷۳۵۲) اس اخلاص نے ان کے اختلافات کو ذاتیات سے پاک رکھا اور ان کی محفلوں کو علم وحکمت کے باغات بنائے رکھا، نہ کہ انا کا میدانِ جنگ۔

احترامِ شخصیت اور حسنِ ظن: اختلاف کا سب سے بنیادی ادب یہ ہے کہ اختلاف ''رائے'' سے کیا جائے، ''صاحبِ رائے'' کی شخصیت سے نہیں۔ آپ کسی کی دلیل کو کمزور کہہ سکتے ہیں؛ مگر اس کی نیت کو کمزور یا اس کی ذات کو حقیر کہنے کا حق نہیں رکھتے۔ "بِحَسْبِ امْرِءٍ من الشَّرِّ أنْ يَحقِرَ أخاهُ المسلِمَ، كلُّ المسلِمِ على المسلِمِ حرامٌ، دمُهُ، ومالُهُ، وعِرضُهُ" (بخاری:6065)

ہمارے ائمہ ایک دوسرے سے شدید علمی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے لیے احترام اور محبت کے جذبات رکھتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے علم، تقویٰ، اور اخلاص کے قائل تھے۔ جب کوئی امام شافعیؒ کے سامنے امام مالکؒ پر تنقید کرتا تو وہ ناراض ہو جاتے اور فرماتے، ''امام مالک آسمانِ علم کے ستارے ہیں''۔ اسی طرح جب امام احمد بن حنبلؒ سے امام شافعیؒ کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ فرماتے، ''وہ دنیا کے لیے سورج اور جسم کے لیے عافیت کی مانند تھے''۔ (طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلیٰ، جلد ا، صفحہ ۲۸۰) یہ طرزِ عمل ہمیں سکھاتا ہے کہ علمی تنقید اور ذاتی احترام دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ایک مہذب معاشرے میں ان دونوں کو اپنی اپنی جگہ پر قائم رہنا چاہیے۔

زبان و بیان کا وقار اور شائستگی: دلیل کی قوت لہجے کی بلندی یا الفاظ کی تلخی میں نہیں ہوتی؛ بلکہ اپنے اندر موجود وزن اور استدلال میں ہوتی ہے۔ اسلاف کے علمی مباحث کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ

انتہائی شائستہ اور باوقار زبان استعمال کرتے تھے۔ طعن وتشنیع، گالی گلوچ، تمسخر اڑانا اور کردار کشی کرنا ان کے ہاں سب سے بڑا عیب سمجھا جاتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جس دین کے پیغمبر ﷺ کو اللہ نے ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر بھیجا ہو، اس کے پیروکاروں کی زبان سے کانٹوں کے بجائے پھول جھڑنے چاہئیں۔ آج سوشل میڈیا کے دور میں، جہاں ہر شخص مفتی اور ہر کم علم دانشور بنا بیٹھا ہے، زبان کی یہ پاکیزگی اور وقار بری طرح مجروح ہوا ہے۔ ہم نے اختلاف کو بدتہذیبی اور بدکلامی کا لائسنس سمجھ لیا ہے، جو کہ اسلامی تعلیمات کی روح کے صریحاً منافی ہے۔

تاریخ کے آئینے میں: اختلاف اور اتحاد کا عملی نمونہ

نظریاتی اصولوں سے زیادہ مؤثر عملی مثالیں ہوتی ہیں۔ اسلامی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے، جو آج بھی ہمارے دلوں میں امید کی شمع روشن کرسکتی ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے فقہی مسالک میں کئی نمایاں اختلافات پائے جاتے ہیں؛ لیکن امام شافعیؒ جب بغداد تشریف لائے، جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کا مرکز تھا، تو انھوں نے فجر کی نماز میں امام صاحب کے احترام میں دعاءِ قنوت نہیں پڑھی اور نہ ہی رفع یدین کیا۔ جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے جو جواب دیا وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ فرمایا: ''ہمیں بھی کبھی کبھی اہلِ عراق (یعنی امام ابوحنیفہؒ) کے مذہب پر، اس قبر والے (امام ابوحنیفہؒ) کے احترام میں عمل کرنا پڑتا ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ: 1 / 270) یہ محض ایک فقہی مسئلے پر عارضی عمل نہیں تھا؛ بلکہ یہ امت کو دیا گیا ایک خاموش پیغام تھا کہ ذاتی تحقیق اور علمی رائے سے زیادہ اہم کسی عالم دین کا احترام اور امت کے اتحاد کا خیال رکھنا ہے۔

اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید نے جب امام مالکؒ سے درخواست کی کہ وہ ان کی کتاب ''مؤطا'' کو سلطنت کا سرکاری قانون بنادیں اور تمام مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کا پابند کردیں، تو امام مالکؒ نے سختی سے انکار کردیا۔ انھوں نے فرمایا: ''امیر المؤمنین! ایسا نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرامؓ مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق احادیث بیان کیں، جس سے لوگوں میں مختلف آرا رائج ہوچکی ہیں۔ لہٰذا ہر علاقے کے لوگوں کو ان کی اپنی اختیار کردہ رائے پر رہنے دیں جو ان تک پہنچی ہے''۔ (سیر اعلام النبلاء، للذہبی، جلد ۸، صفحہ ۱۰۸) یہ ایک امام کی وسعتِ قلبی اور فکری رواداری کی وہ عظیم مثال ہے جہاں وہ اپنی تحقیق کو دوسروں پر مسلط کرنے کے بجائے، علمی تنوع کو امت کے لیے رحمت سمجھتے ہیں۔

ان عظیم ہستیوں نے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھیں، ایک دوسرے کی مجالس میں شرکت کی اور ایک دوسرے سے محبت اور تعلق کا رشتہ قائم رکھا۔ ان کا اختلاف علم کی دنیا تک محدود تھا؛ جب وہ علمی مباحث سے اٹھتے تو ان کے دل ایک دوسرے کے لیے شیشے کی طرح صاف ہوتے۔ انھوں نے ہمیں عملاً سکھایا کہ فروعی اختلاف کی بنیاد پر دلوں میں میل لانا، مسجدیں الگ کرنا اور امت کو گروہوں میں تقسیم کرنا جہالت اور تنگ نظری کی علامت ہے۔

بحران کی تشخیص اور وحدت کی راہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہمارا ماضی اتنا روشن تھا تو ہمارا حال اتنا تاریک کیوں ہے؟ اس بحران کی چند بنیادی وجوہات ہیں:

* **علم کی کمی اور جذباتیت کا غلبہ:** جب معاشرے سے تحقیق اور گہرے علم کا رواج اٹھ جاتا ہے تو اس کی جگہ سطحی معلومات اور جذباتی نعرے لے لیتے ہیں۔ لوگ ائمۂ سلف کی تعلیمات کی روح کو سمجھے بغیر، اصول وفروع کے فرق کو ملحوظ رکھے بغیر، ایک دوسرے سے دست وگریباں ہوجاتے ہیں۔

* **محبت میں غلو اور تقلید کا جمود:** علم وبصیرت کی کمی نے ہمارے معاشرے میں ایک اور سنگین مسئلے کو جنم دیا، جسے شخصیت پرستی اور تقلیدِ جامد کہا جاسکتا ہے۔ ہمارے ائمۂ کرام نے ہمیشہ یہ تعلیم دی کہ ان کی آراء کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھا جائے اور اگر ان کی رائے کے خلاف کوئی دوسری زیادہ قوی دلیل سامنے آجائے تو ان کی رائے پر اس کو ترجیح دینا چاہیے۔

تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بعض حلقوں میں ان عظیم شخصیات کی آراء کے گرد ایسی مضبوط دیواریں کھڑی کردی گئیں کہ علمی مکالمہ اور فکری تبادلہ مشکل ہوگیا۔ یہ صورت حال دراصل ہمارے اسلاف کی اصل تعلیمات سے دوری کی علامت ہے، جنھوں نے ہمیشہ علم، دلیل اور وسعتِ نظر کو فروغ دیا تھا۔

* **سیاسی اور خارجی عوامل:** تاریخ گواہ ہے کہ امت کے اندرونی اختلافات کو ہمیشہ بیرونی طاقتوں نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ انھوں نے ان فروعی اختلافات کو ہوا دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑایا؛ تاکہ وہ کمزور رہوں اور ان پر غلبہ پانا آسان ہوجائے۔

* **انا پرستی اور حبِ جاہ:** بہت سے اختلافات کے پیچھے حق کی تلاش کا جذبہ نہیں؛ بلکہ ذاتی شہرت، قائد بننے کی خواہش اور اپنے گروہ کو بڑا ثابت کرنے کی نفسیاتی بیماری کارفرما ہوتی ہے۔

اس بحران سے نکلنے اور امت میں سماجی ودینی وحدت کی فضا قائم کرنے کے لیے ہمیں ایک

جامع حکمتِ عملی اپنانے کی ضرورت ہے:

۱-تعلیمی اداروں میں ''ادب اختلاف'' کی تعلیم: ہمیں اپنے مدارس، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں ''اختلاف کے آداب'' کو ایک لازمی مضمون کے طور پر شامل کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنی نئی نسل کو سکھانا ہوگا کہ اختلاف کیسے کیا جاتا ہے، دلیل کیسے دی جاتی ہے اور مخالف کی رائے کو احترام کے ساتھ کیسے سنا اور رد کیا جاتا ہے۔

۲-علماء اور قائدین کا عملی نمونہ بننا: امت کے علماء اور فکری رہنماؤں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ منبر ومحراب سے اور اپنی عملی زندگی سے اتحاد اور رواداری کا نمونہ پیش کریں۔ وہ فروعی مسائل پر مناظرے کرنے کے بجائے، امت کو درپیش مشترکہ چیلنجز (جیسے الحاد، لادینیت، اخلاقی انحطاط) پر متحد ہوکر آواز اٹھائیں۔

۳-مشترکہ اور متفقہ امور پر توجہ دینا: ہماری تقریباً نوے فیصد سے زائد تعلیمات مشترک ہیں۔ ہمارا اللہ ایک، آخری رسول ایک، قرآن ایک اور کعبہ ایک ہے۔ ہمیں اپنی گفتگو اور اپنی توانائی ان مشترکات کو اجاگر کرنے پر صرف کرنی چاہیے، نہ کہ ان چند فیصد اختلافی مسائل پر جن کی وجہ سے ہم بٹے ہوئے ہیں۔ جب بنیادیں مضبوط ہوں گی تو شاخوں کا اختلاف عمارت کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

۴-برداشت اور درگزر سے کام لینا: اختلاف کے باوجود معاشرتی ہم آہنگی کے لیے برداشت اور درگزر نہایت ضروری ہے۔ ہر انسان سے غلطی ہوسکتی ہے، ہر رائے درست نہیں ہوسکتی؛ اس لیے اگر کوئی شخص کسی مسئلے میں غلطی پر ہے تو اس کے ساتھ نرمی اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے، نہ کہ اس پر بے جا طعن وتشنیع کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں بار بار معاف کرنے اور درگزر کرنے کی تلقین کی ہے۔ قرآن میں ہے: ''فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ'' (المائدہ: 13) ترجمہ: ''پس انھیں معاف کردو اور درگزر کرو۔''

۵- مکالمے اور ڈائیلاگ کی ثقافت کو فروغ: ہمیں ایک دوسرے سے بات کرنے، ایک دوسرے کو سمجھنے اور برداشت کرنے کی ثقافت کو زندہ کرنا ہوگا۔ ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ جس مسلمان سے ہمارا اختلاف ہے، وہ ہمارا دشمن نہیں؛ بلکہ ہمارا بھائی ہے۔ اس کے اور ہمارے درمیان فکری فاصلہ ہوسکتا ہے؛ لیکن ایمانی اور انسانی رشتے کا تقدس ہر حال میں قائم رہنا چاہیے۔

حاصلِ کلام

اختلافِ رائے انسانی فکر کا حسن اور کائنات کی ایک فطری حقیقت ہے۔ اسلام اسے تسلیم کرتا

ہے؛ مگر اسے اخلاقیات اور آداب کے دائرے میں رکھنے کا پابند کرتا ہے؛ جب تک امت نے ان آداب کا پاس رکھا، اختلاف اس کے لیے رحمت بنا رہا اور اس کی علمی وفکری ترقی کا باعث ہوا؛ لیکن جب ہم نے اخلاص، علم، احترام اور رواداری کا دامن چھوڑ دیا، تو یہی اختلاف ہمارے لیے زحمت، تفرقہ اور زوال کا سبب بن گیا۔

آج امتِ مسلمہ ایک نازک دوراہے پر کھڑی ہے۔ ہمارے پاس دو راستے ہیں: یا تو ہم فروعی اختلافات کی آگ میں جل کر اپنی رہی سہی طاقت بھی گنوا دیں، یا پھر اپنے اسلاف کے ورثے کی طرف لوٹتے ہوئے، اختلاف کے باوجود متحد رہنے کا فن سیکھ لیں۔ وحدت کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم سب ایک ہی طرح سوچنا شروع کر دیں؛ بلکہ وحدت کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے سوچنے کے حق کا احترام کریں اور اپنے مشترکہ مقاصد کے لیے ایک جسم کی مانند ہو جائیں۔

اختلاف کو افتراق میں بدلنے سے روکنے کے لیے سب سے زیادہ ضرورت حکمت، علم اور رواداری کی ہے۔ حکمت یہ ہے کہ ہر اختلاف کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھا جائے، اس کے اسباب اور حدود کو سمجھا جائے اور اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ علم یہ ہے کہ اختلاف کی نوعیت، اس کے دلائل اور اس کے تاریخی پس منظر کو جانا جائے اور بغیر علم کے کسی پر الزام نہ لگایا جائے۔ رواداری یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی رائے کے اظہار کا حق دیا جائے اور اس کے ساتھ عزت اور محبت کا سلوک کیا جائے۔

اگر ہم نے اختلاف کو افتراق میں بدلنے سے روک لیا اور وحدتِ امت کے لیے حکمت، علم اور رواداری کو اپنا لیا، تو یقیناً ہم ایک بار پھر دنیا میں عزت، وقار اور سربلندی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے اسلاف کی اس سنہری روایت کو زندہ کرنا ہوگا، جہاں اختلاف رائے علم کی روشنی اور محبت کی خوشبو کے ساتھ پروان چڑھتا تھا، نہ کہ نفرت اور دشمنی کے اندھیروں کو جنم دیتا تھا۔

✻ ✻ ✻